مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

جب سے انسان نے اس دنیا میں ہوش سنبھالا ہے تین سوال اس کی توجہ کا مرکز بنے رہے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) یہ کائنات خود معرض وجود میں آگئی ہے یا کوئی اس کا پیدا کرنے والا بھی ہے؟

(۲) اس کائنات کا اور انسان کا آپس میں کس قسم کا تعلق ہے اور اس کی پیدائش کا کچھ مقصد بھی ہے یا یہ بھی اپنی موت کے ساتھ ختم ہو جائے گا؟

(۳) اس کائنات کی خالق کوئی مقتدر ہستی ہے یا تو اس کا اور انسان کا آپس میں کس قسم کا تعلق ہے؟

گویا خدا، کائنات اور انسان کا باہمی تعلق ہی وہ راز ہے جس کی عقدہ کشائی میں انسان حضرت آدم سے لے کر آج تک منہمک ہے اور غالباً آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اور فی الحقیقت یہ سوالات ہیں بھی اتنے اہم کہ جب تک کوئی شخص ان کے جواب میں کوئی نقطہ نظر اپنے ذہن میں قائم اور پختہ نہ کر پائے وہ یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ اسے اس دنیا میں کس حیثیت سے زندگی گزارنا ہوگی۔ بالفاظ دیگر یہی وہ بنیادی باتیں ہیں جن پر انسان کی طرز زندگی کے طرز عمل کا انحصار ہوتا ہے۔

انسان کی طبعی زندگی دوسرے عام حیوانات سے ملتی جلتی ہے اور اس کے تقاضے طبعی۔ یعنی مفاد خویش، تحفظ خویش اور بقائے نسل ـــــ بھی وہی ہیں جو دوسرے جانداروں میں پائے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ کئی باتوں میں دوسرے حیوانات سے مختلف اور ممتاز بھی ہے۔ مثلاً

(۱) اسے اپنے مستقبل اور اپنی موت کا احساس ہے۔ اسی وجہ سے یہ مفاد خویش یا خود غرضی

ہیں دوسرے جانداروں سے بہت آگے ہے اور اسے کل کے لئے جمع کرنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے جو دوسرے جانداروں میں کم ہی پائی جاتی ہے۔

(۲) اسے خیر و شر کی تمیز بھی عطا کی گئی ہے اور قوت اختیار اور ارادہ بھی حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ وہ تحفظ خویش کے فطری داعیہ کے علی الرغم کسی جذبہ کے تحت اپنی جان تک بھی دے دیتا ہے اور

(۳) اسے عقل و شعور کا وافر حصہ عطا کیا گیا ہے۔ جس کے ذریعے وہ چند معلوم اور دیکھی ہوئی اشیاء سے کچھ حقائق اور نتائج کا سراغ لگانے کی اہلیت رکھتا ہے جسے اصطلاحی زبان میں علت (CAUSE) اور معلول (EFFECT) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ مشاہدات کو دیکھ کر ان کی علت بھی معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اور اس سے آگے معلول بھی۔ اور یہی وہ فطری داعیہ ہے جس کی وجہ سے انسان اس کائنات میں اپنا مقام متعین کرنے پر کسی حد تک مجبور بھی ہے۔

اس عقل و شعور کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ انسان محض اپنی عقل و دانش کے بل بوتے پر یہ عقدہ حل کرنے میں ناکام ہی رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان کی عقل محدود ہے اور کائنات لامحدود۔ اور ایک محدود چیز لامحدود کا ادراک احاطہ کرنے سے قاصر ہے انسان کے سامنے کئی ایسی معلومات اور ایسے مشاہدات آجاتے ہیں جہاں علت و معلول کا فلسفہ ادھورے کا ادھورا رہ جاتا ہے۔ اور ایسا تعلق قائم کرنے سے عقل جواب دے دیتی ہے۔

عقل کی اس مجبوری کی وجہ سے خالق کائنات نے انسان کی خود رہنمائی فرمائی۔ ابوالبشر حضرت آدم جہاں پہلے انسان تھے وہاں وہ پہلے نبی بھی تھے۔ اپنے خدائی پیغام یا وحی کے ذریعہ خالق کائنات نے انسان کو بتلا دیا کہ یہ کائنات اور اسی طرح خود تمہیں بھی میں نے ہی پیدا کیا ہے۔ یہ کائنات تمہارے لئے مسخر کر دی گئی ہے تم اشیائے کائنات سے جب اور جس طرح چاہو کام لے سکتے ہو اور یہ کہ اگر تم میری ہدایات کے مطابق زندگی گزارو گے تو دنیوی اور اخروی زندگی کی سرفرازیوں سے ہمکنار ہو گے (۲/۳۸)

## عقل پرست اور ان کے مختلف فرقے

لیکن اس واضح ہدایت کے باوجود بعض اصحاب دانش نے اپنی عقل و فکر کو ہی رہنما

بنایا پھر عقل دانش بھی سب کی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ نہ ایک جیسے نتائج پیدا کرتی ہے لہٰذا ان میں بھی مختلف گروہ پیدا ہوگئے۔ جو مختصراً درج ذیل ہیں

(۱) مادہ پرست یا دہریے | ان لوگوں نے جب کائنات اور اس کی تخلیق پر غور و فکر کیا تو انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ، وہ قدیم، ازلی اور ابدی ہے۔ جو مختلف ادوار سے گزرتا ہوا اس کائنات کی شکل میں آیا ہے، یہ زمین و آسمان اور یہ چاند تارے اور سورج سب کائنات کے فطری قوانین کے تحت حرکت کر رہے ہیں۔ اور یہ سب "اتفاقات" کا نتیجہ ہیں۔ اسی مادہ کے مختلف اجزاء کے کیمیاوی عمل سے پانی معرض وجود میں آیا۔ پھر اتفاق ہی سے اس مادہ کے مختلف اجزاء کے کیمیائی عمل سے زندگی کی نمود ہوئی۔ جو نباتات اور حیوانات کی راہوں سے گزرتی ہوئی انسانی شکل میں آئی ہے انسان بھی دوسری موجودات کی طرح پیدا ہوتا اور ختم ہو جاتا ہے اس کے علاوہ کائنات کی حقیقت کچھ نہیں۔ قرآن کریم نے اس گروہ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

| | |
|---|---|
| وقالوا ما هی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یهلکنا الا الدهر وما لهم بذالک من علم ان هم الا یظنون ۴۵/۲۳ | اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے اور جیتے ہیں۔ ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں۔ صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔ |

آیت بالا سے واضح ہے۔ کہ اس گروہ کے نظریات محض ظن اور قیاس پر مبنی ہیں جن کے نیچے کوئی ٹھوس سائنٹفک بنیاد نہیں۔ اس گروہ کو دہریہ، مادہ پرست یا مادیین کہتے ہیں۔

(۲) فلاسفر اور سائنس دان | اسی گروہ میں سے فلاسفروں اور سائنس دانوں کا ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو یہ بات ماننے پر مجبور ہو گیا کہ اس وسیع کی ایک علت العلل کی موجودگی بھی ضروری ہے ورنہ کائنات کے ایسے منظم و مربوط نظام کا قائم ہونا محالات سے ہے (اسی علت العلل کو مذہب کی زبان میں خدا کہا جاتا ہے۔) جیسے کہ سر آئزک نیوٹن نے۔ جو کہ کشش ثقل و قوت جاذبہ (GRAVITY) اور قوانین حرکت کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے نے کائنات کے وسیع مطالعہ کے بعد اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"کواکب کی حرکات حالیہ ممکن نہیں کہ محض قوت جاذبہ کا نتیجہ ہوں۔ تو یہ

قوت جاذبہ تو کواکب کو شمس کی طرف دھکیلتی ہے۔ اس لئے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضروری ہے کوئی خدائی ہاتھ موجود ہے۔ جو باوجود قوت جاذبہ کی کشش کے ان کو اپنے مدارت پر قائم رکھ سکے۔ کوئی سبب طبیعی" ایسا نہیں بتلایا جا سکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ بند کر دیا ہے کہ وہ سب سورج کے گرد چکر لگاتے وقت ہمیشہ معین مدارت پر اور ایک خاص حیثیت میں بھی حرکت کریں جس میں کبھی تخلف نہ ہو۔ پھر کواکب کی حرکات اور درجات سرعت میں ان کی اور سورج کی درمیانی مسافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو دقیق تناسب اور عمیق توازن قائم رکھا گیا ہے، کوئی سبب طبیعی نہیں جن سے ہم ان منظم و محفوظ نوامیس کو وابستہ کر سکیں۔ ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا نظام کسی ایسے زبردست حکیم و علیم کے ماتحت ہے جو ان تمام اجرام سماویہ کے مواد اور ان کی ماہیت سے پورا پورا واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس مادہ کی کس قدر مقدار سے کتنی قوت جاذبہ صادر ہوگی۔ اس نے اپنے زبردست اندازہ سے کواکب اور شمس کے درمیان مختلف مسافتیں اور حرکت کے مختلف مدارج مقرر کئے ہیں کہ ایک دوسرے سے تصادم اور تزاحم نہ ہو اور سارا عالم ٹکرا کر تباہ نہ ہو جائے۔" (تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی حاشیہ آیت نمبر ۶/۷۵)

یہی وہ فلاسفروں اور سائنس دانوں کی مجبوری ہے جس نے انہیں ایک علت العلل یا عقل کل تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس گروہ کے سرخیل یونانی فلاسفر افلاطون اور ارسطو تسلیم کئے جاتے تھے۔ ارسطو (۳۸۴-۳۲۲ ق م) کے متعلق مشہور ہے کہ اسے کسی عیسائی راہب نے عیسائیت قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ تو اس نے کہا کہ میں سوچ کر بتاؤں گا۔ سوچ بچار کے بعد اس نے عیسائیت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وحی الٰہی خدا کے متعلق جو تصور پیش کرتی ہے اس کے افکار و نظریات اس سے لگا نہیں کھاتے تھے۔ اور دوسری وجہ غالباً یہ بھی ہو سکتی تھی کہ یہ لوگ اپنے آپ کو پیغمبروں سے کم مرتبہ کے انسان نہیں سمجھتے۔ خدا کے متعلق ارسطو کے نظریات یہ تھے۔

(۱) وہ ایک مجرد[1] تصور ہے۔ ایک مکمل اور جامع تصور۔ یہ کائنات جو خالق کی

---

[1] وہ کہتا ہے کہ مٹھاس کا تصور ہم اس بنا پر کرتے ہیں کہ دنیا میں میٹھی چیزیں

مظہر ہے نامکمل اور ناقص ہے اور اس کی حمد و ثنا کے ذوق اور اس کی محبت کے جوش میں ارتقا اور ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔ باری تعالیٰ اپنا کوئی مادی وجود نہیں رکھتا بلکہ وہ علت العلل یا بنیادی علت ہے۔ اس سے کائنات میں حرکت و نمو پیدا ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر کائنات کے رنگا رنگ مظاہر اور اس کی حرکت کے پیچھے ایک ایسا تصور کارفرما ہے۔ کہ قدیم، قائم بالذات اور سرمدی ہے۔ یہی ارسطو کے نزدیک خدا کا صحیح تصور ہے۔ اس فلسفے کے مطابق چونکہ سوائے خدا کے مجرد تصور کے کوئی شے قدیم نہیں بلکہ ساری اشیاء حادث ہیں۔ اس لئے خدا کی صفات بھی حادث اور نامکمل ہیں۔ اس کے تصورات کو مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے

(۱) علت العلل یا ذات حق مجرد تصور ہے۔

(۲) وہ مستقل قائم بالذات، برحق اور قدیم ہے۔

(۳) وہ جان جہان ہے اور ساری کائنات اسی کا مظہر ہے۔

(۴) وہ ان سب صفات سے عاری ہے۔ جن کی نسبت انسان کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ صفات حادث ہوتی ہیں اور ذات حق قدیم ہے

(۵) ذات باری نے دنیا کو پیدا کیا۔ اسے حرکت دی۔ اسی بناء پر وہ پوری کائنات اور اس کی حرکت کی بنیادی علت ہے۔

(۶) ساری کائنات اس کی حمد و ثناء میں منہمک ہو کر اور اس کی محبت سے

---

موجود ہیں اور سرخی اور سفیدی کا بھی اس وجہ سے شعور رکھتے ہیں کہ دنیا میں بہت سی چیزیں رنگ کے اعتبار سے سرخ اور سفید ہمارے درمیان موجود ہیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم کہ سرخی کا تصور کسی شے کے بغیر ممکن نہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سرخی کے تصور کے ساتھ کسی ایک متعین شے یا چند مخصوص اشیاء کا تصور کسی ایسی چیز کے ساتھ ہی کیا جا سکتا ہے جو سرخ ہو۔ اس سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ اصل حقیقت سرخی ہے اور یہی مستقل اور پائیدار ہے۔ اسی کا تصور بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ باقی یہ ہے پیکر محسوس، بن میں یہ جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہ سب اعتباری چیزیں ہیں۔

سرشار ہو کر ترقی کے منازل طے کر رہی ہے۔ لیکن یہ ارتقاء اسے کبھی بھی باری تعالیٰ کی طرح کامل نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ کائنات مادی وجود سے آزاد نہیں ہو سکتی۔" (مذہب و تجدید مذہب؛ پروفیسر عبدالمجید صدیقی ص ۱۷۴)

گویا ارسطو (اور اس طرح کئی دوسرے حکمائے فرنگ) کے نزدیک خالق کائنات کی حیثیت محض ایک گھڑی ساز کی سی ہے۔ جس نے گھڑی بنا کر اس میں ایک دفعہ چابی بھر دی ہے اور اب یہ گھڑی خود ہی چل رہی ہے۔

## ۳۔ لاادریت

پھر انہیں مذکورہ دو گروہوں میں سے ایک تیسرا گروہ پیدا ہوا۔ جو نہ تو خدا کا انکار کرتا ہے اور نہ اقرار۔ اسی لئے انہیں "لاادری" یعنی "کوئی رائے قائم نہ کرنے والے" کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی عقل کی تنگی داماں سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا جہاں کوئی بات ان کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے۔ تو اسے قوانین فطرت یا محض فطرت (NATURE) سے منسوب کر دیتے ہیں۔ اور نیچر سے ان کی مراد کائنات میں وہ جاری و ساری قوانین ہیں۔ جن تک انسانی علم کی بالعموم رسائی ہو چکی ہو یا مشاہدہ میں آ چکے ہوں۔ یا جن کے بندھے قوانین کے تحت یہ کائنات سرگرم عمل ہے۔ فطرت ہی کا دوسرا نام مذہب کی زبان ہے۔ لیکن خدا کو خدا مان لینے سے اور بھی بہت سی چیزوں کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ اس سلسلہ میں کوئی رائے قائم نہیں کرتے۔

## ۴۔ مذہبی فرقے

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ ارسطو کا نظریہ بھی زندگی کے حل مسائل کا حل پیش نہیں کرتا۔ وہ مابعد الطبیعات یا مرنے کے بعد کی زندگی کا ایک دھندلا سا عکس پیش کرتا ہے۔ وہ یہ بھی وضاحت نہیں کرتا کہ انسان کی زندگی کا کچھ مقصد ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ وہ محض "الٰہیات" سے متعلق ایک مخصوص نقطۂ نظر پیش کرتا ہے۔ لہٰذا بنی نوع انسان کا ایک کثیر طبقہ ایسا بھی رہا ہے۔ جو اس باری تعالیٰ کی ہدایات یا وحی خداوندی پر ایمان لایا۔ یہ وحی خداوندی جو دنیا کے تقریباً تمام

مقامات پر مختلف ادوار میں انبیاء پر خدا کی طرف سے نازل ہوتی رہی انسانی زندگی کے جملہ مسائل کا ایک واحد حل پیش کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ :۔

(۱) اس کائنات کا خالق ذات باری یا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی ایک ذات ہے جو قدیم اور ازلی و ابدی ہے۔ وہ اپنی علم و حکمت سے اس کائنات کو عدم سے وجود میں لایا۔ انسان کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے۔ اور کائنات اور اس کی تمام اشیاء حادث اور فنا ہونے والی ہیں۔

(۲) کائنات کی جملہ اشیاء اس باری تعالیٰ کی مخلوق اور اسی کے قوانین کے تحت سرگرم عمل ہیں۔ انسان خود بھی اپنی جبلی زندگی کے لحاظ سے ان قوانین کا پابند اور ان کے آگے مجبور محض ہے۔ لیکن اسے خیر و شر کی تمیز اور قوت ارادہ و اختیار بھی کسی حد تک عطا کی گئی ہے۔ انسان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان اختیاری امور میں بھی ـــــ دوسری اشیائے کائنات کی طرح ـــــ اللہ تعالیٰ کی منشاء وحی کے مطابق بنا دے۔ اسی چیز کا نام عبادت ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سرگرم عمل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی انسان سمیت تمام اشیائے کائنات کا معبود ہے۔

(۳) کائنات اور انسان کا آپس میں تعلق یہ ہے کہ کائنات کی جملہ اشیاء انسان کے تابع فرمان بنا دی گئی ہیں۔ وہ ان کی ہیئت و کیفیت معلوم کر کے ان سے جیسے چاہے کام لے سکتا ہے۔ انسان کو کائنات کے عظیم الجثہ کروں، فضا کی پنہاں قوتوں اور زمین میں پھیلے ہوئے مختلف عناصر سے خائف ہونے یا ان کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی نہ کوئی وجہ ہے اور نہ ضرورت اگر وہ ایسا کرے گا تو اسی کا نام شرک ہے۔ جو ظلم عظیم اور ناقابل معافی جرم ہے۔ اگر وہ صرف اپنے خالق ذات باری کی ہدایات کا تابع فرمان ہو کر اسی کے سامنے سربسجود ہو گا۔ اور اپنی حاجات پیش کرے گا تو یہی چیز توحید ہے۔ یہی توحید انسان کو کائنات میں بلند ترین مقام عطا کرتی ہے

(۴) پھر اگر انسان خدا کی ہدایات پر عمل پیرا ہو گا تو اسے اس کے ان "اعمال خیر" کا اچھا بدلہ یا جزا ملے گی اور اگر نافرمانی کرے گا تو اسے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ اس کو ان "اعمال شر" کی سزا ضرور ملے گی۔ یہ جزا و سزا کا قانون مذہب کی

اصطلاح میں دین کہلاتا ہے۔ جزا و سزا کا قانون اسی دنیا میں بھی لاگو ہو سکتا ہے۔ تاہم یہ ضروری نہیں۔ مرنے کے بعد انسان کو یقیناً دوسری زندگی ملے گی۔ جہاں اس سے اس کے کیئے ہوئے اعمال خیر و شر کا پورا پورا محاسبہ کیا جائے گا۔ اسی مرنے کی بعد کی دوسری زندگی کو اخروی زندگی یا آخرت کہتے ہیں۔

یہ ہے انسانی زندگی کے مسائل کا حل اور ہدایات خداوندی یا وحی الہٰی کا خلاصہ جو تمام انبیا کو ایک جیسی عطا ہوتی رہی ہے۔

## ۵۔ مخلوط فرقے

انبیاء کرام جن پر یہ ہدایات خداوندی نازل ہوئیں وہ کوئی مافوق البشر ہستی نہیں بلکہ انسان ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے وہ خود ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر عملی نمونہ بھی لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے۔ لیکن مابعد کے ادوار میں ان تعلیمات پر کبھی تو اصحاب دانش کے طنطنے کے سائے لہراتے رہے اور کبھی ان ہدایات پر انسان کی باطنی قوتوں اور کشف و وجدان کا رنگ غالب آیا تو اس طرح لاتعداد فرقے پیدا ہوتے رہے۔

(۱) ہندومت پر عقل اور فلسفہ کا رنگ غالب آیا تو ان اصحاب دانش کے عقل و فہم میں یہ بات نہیں آسکتی کہ وجود باری تعالیٰ عدم سے کائنات کو کیونکر وجود میں لاسکتا ہے۔ اور نہ ہی وہ یہ بات تصور میں لا سکتے تھے کہ بے جان مادہ میں زندگی اور حرکت کے آثار پیدا ہو سکتے ہیں لہٰذا انہوں نے کہا خدا، روح اور مادہ تین چیزیں ازلی ابدی ہیں۔ اب دیکھئے کہ روح کو ازلی ابدی تسلیم کر لینے کی بناء پر ان میں مندرجہ بنیادی عقائد و نظریات رواج پا گئے۔

(۱) تمام ذی حیات یا با ندار اشیاء انسان کے ہم رتبہ ہیں۔ انسان کو کوئی حق نہیں کہ کسی موذی جانور کو گزند پہنچائے یا اسے مارے یا اپنے ذاتی انتفاع کی خاطر کسی جانور کو ذبح کر کے اس کا گوشت استعمال میں لائے۔ وحی الہٰی تو "وحدت انسانی" کا تصور پیش کرتی ہے۔ لیکن انہوں نے اس کے بالمقابل "وحدت حیات" کا تصور پیش کیا۔ جسے ان کی اصطلاح میں "اہنسا" کا نام دیا جاتا ہے۔ حیرانگی کی بات ہے

کہ ان کے فلاسفر "اہنسا" کی رو سے تو کسی موذی جانور کو تکلیف دینا بھی مہاپاپ یا گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔ لیکن جب معاشرتی مسائل کی طرف توجہ کرتے ہیں تو بنی نوع انسانوں کو چار مختلف ذاتوں میں تقسیم کر کے "وحدت انسان" کے دستور کو بھی پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔ وحی الٰہی تو یہ سکھاتی ہے کہ تمام بنی نوع انسان آدم کی اولاد ہیں لہٰذا سب معاشرتی لحاظ سے ہم مرتبہ ہیں۔ اور نیز یہ کہ کائنات کی جملہ اشیاء حیوانات سمیت انسان کے تابع بنا دی گئی ہیں وہ ان سب چیزوں سے ہدایات خداوندی کے تحت انتفاع کر سکتا ہے لیکن یہ مذہب جب افراط کی طرف جاتا ہے تو موذی جانوروں تک کو تکلیف پہنچانے کو مہاپاپ سمجھتا ہے اور جب تفریط کی طرف رخ موڑتا ہے کہ انسان کے مختلف طبقے پیدا کر کے کسی کو پر جا بٹھلاتا ہے اور کسی دوسرے کو مستقل عذاب الیم میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(ب) روح کی ازلیت وابدیت نے ہی مسئلہ تناسخ کو جنم دیا۔ جسے ان کی زبان میں "آواگون کا چکر" کہا جاتا ہے۔ یعنی نیک اعمال سے انسانی روح مرنے کے بعد کسی بہتر پیکر محسوس میں داخل ہوتی ہے اور برے اعمال کرنے سے کسی کہتر مخلوق میں داخل ہو کر سزا پاتی ہے۔ مثلاً کسی برے انسان کی روح مرنے کے بعد کسی گدھے یا کتے کے جسم میں داخل ہو کر اپنے سابقہ گناہوں کا بدلہ بھگتے گی اور کسی نیک آدمی کی روح اپنے سے زیادہ بہتر پیدا ہونے والے انسان کے جسم میں داخل ہو کر اچھا بدلہ پائے گی۔ اور یہ سلسلہ تا ابد جاری رہے گا۔ جزا و سزا کا یہی قانون مکافات آواگون کے چکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(ج) روح کی ترقی کے ان کے ہاں تین درجات ہیں، آتما یعنی وہ روح جو عام جانداروں میں پائی جاتی ہے۔ جب یہ روح نیک اعمال کی وجہ سے ترقی کرتی ہے تو کسی مہاآتما یعنی بزرگ، روح کی جسم میں داخل ہوتی ہے جیسے کہ ان کے ہاں مہاتما بدھ اور مہاتما گاندھی وغیرہ ہیں۔ پھر جب یہ روح نیک اعمال کے ذریعے مزید ترقی کرتی ہے۔ تو پھر یہ پرماتما (سب سے بڑی روح یا ذات خداوندی) میں جا کر مل جاتی ہے۔ تب جا کر اس کی مکمل نجات ہوتی ہے اور یہی

انسان کی روحانی ترقی کی آخری منزل ہے۔

## روحانیین صوفیہ

روح کی ترقی اور نیک اعمال سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مادی جسم اور اس کے تقاضوں سے حتی الامکان پیچھا چھڑایا جائے۔ جس قدر مادی جسم کو مضمحل اور کمزور بنایا جائے گا اسی قدر روح کی ترقی ہوگی۔ لہٰذا اس روحانی ترقی کے حصول کے لئے ان کے ایک مخصوص گروہ نے جسم کو مختلف قسم کی اذیتیں دے کر اور اس کے طبعی تقاضوں کو فنا کر کے نیز معاشرتی تعلقات سے منہ موڑ کر گوشہ نشینی کی راہبانہ زندگی اختیار کر لی اس طرز زندگی کا بنیادی مقصد تو خالص فلسفیانہ ہے لیکن عملی طور پر مختلف ریاضتوں کے ذریعے انسان کی باطنی قوتوں کو بیدار کر کے یہ راہ طے کی جاتی ہے۔ اس طریق زندگی کو دین طریقت بھی کہتے ہیں جو بالعموم تمام مذاہب مثلاً یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور ہندو مت کا ایک خاص گروہ بدھ مت تو زندگی کا مقصد ہی یہی راہبانہ زندگی قرار دیتا ہے[1]۔

گویا اب تین چیزیں سامنے آگئیں وحی، عقل اور کشف یا وجدان۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مذاہب عالم میں جب بھی کبھی بگاڑ پیدا ہوا ہے تو وحی الٰہی میں تشکیک اور اس کے مقابلہ میں عقل یا وجدان کے استعمال میں افراط اور تفریط سے ہوا ہے۔ کشف و وجدان نے جب وحی الٰہی میں بے جا تنقید و مداخلت کی تو ایک علیحدہ طریقت کی بنیاد ڈال دی پھر اس میں مزید کئی فرقے پیدا ہو گئے سر دست ہم صرف یہ دیکھنا چاہتا ہیں کہ عقل نے وحی الٰہی کے مقابلہ میں افراط و تفریط سے کام لے کر کیا کچھ گل کھلائے ہیں۔

## عقل پرست

پھر انہی مذہبی فرقوں سے ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا۔ جس نے وجدان کے بجائے

---

[1] اس دین طریقت کی تفصیل علیحدہ کتاب کی صورت میں پیش کی جا چکی ہے۔

عقل پرستی کا رنگ غالب آگیا تو جس طرح زوحانیین زبانی طور پر وحی کی اتباع ہی کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ لیکن وحی کے معانی ہی بدل کر انہیں "باطنی معانی" کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔ اسی طرح عقل پرست زبانی طور پر وحی الٰہی کی برتری کے قائل ہوتے ہیں۔ لیکن عملاً ہر دور کے غالب رجحانات اور مخصوص نظریات کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور وحی الٰہی کی تاویل وتحریف کر کے ان نظریات وافکار کو قرآن سے ثابت کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہی وہ طبقہ ہے جس سے ہم آپ کو روشناس کرانا چاہتے ہیں۔

---

# ترجمان کی ایجنسیاں

- ملک اینڈ سنز نیوز ایجنٹ بک سیلرز، ریلوے روڈ سیالکوٹ۔
- قریشی بک ڈپو شکر گڑھ۔ ضلع سیالکوٹ۔
- محمد سعید صاحب ایجنسی کھجور مارکہ صابن، بازار ناندلیا نوالہ ضلع فیصل آباد
- حاجی ملک محمد ابراہیم صاحب دکاندار مین بازار ٹیکسلا تحصیل وضلع راولپنڈی۔
- مولانا محمد عبداللہ صاحب خطیب جامع اہلحدیث، صدر، راولپنڈی۔
- حکیم محمد یوسف صاحب زبیدی جامع مسجد اہلحدیث شاہ فیصل شہید روڈ لعل چندباغ میرپور خاص سندھ
- منشا بکسٹال بالمقابل ریلوے سٹیشن گوجرانوالہ ٹاؤن۔
- خواجہ نیوز ایجنسی لودھراں، ضلع ملتان۔
- "مکتبہ وہابیہ" ہاشمی کالونی۔ گوجرانوالہ
- مرکز ادب حسین آگاہی، ملتان شہر۔
- محمد ابراہیم صاحب نیوز ایجنٹ، عباس سائیکل ورکس، بلاک نمبر ۱۹، سرگودھا۔
- مولانا محمد اسماعیل صاحب خادم مسجد امیں پور بازار، فیصل آباد
- میاں عبدالرحمان حماد صاحب خطیب جامع مسجد اہل حدیث، قبولہ ضلع ساہیوال۔
- محمود برادرز کریانہ مرچنٹس، چمن بازار، ہارون آباد، ضلع بہاولنگر۔